بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

خرم مراد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی قلیل مدت میں زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی ایسی حیرت انگیز اصلاح و تربیت کی کہ ان کی بالکل کایا پلٹ ہو گئی۔ آپ ؐ نے ان کے اخلاق بدل دیے، ان کو ایک منظم معاشرہ بنا دیا، اور ان کے اندر اتنی استعداد پیدا کر دی کہ وہ دیکھتے دیکھتے مشرق و مغرب کے امام بن گئے۔ یہ عظیم الشان انقلاب کس طرح برپا ہوا؟ اس کا راز، دراصل، اس حکمتِ ربانی اور خلق عظیم میں پوشیدہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو کمال درجہ میں مالا مال کیا تھا۔ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

عوام کی اصلاح و تربیت ہو یا اپنی، اگر ہمیں آج اس مشن کو لے کر آگے بڑھنا ہے تو حضور ؐ کی سیرت سے حکمت اور اخلاق کا اکتساب کیے بغیر یہ سفر طے نہیں ہو سکتا۔ حضور ؐ سراجِ منیر ہیں، دعوت الی اللہ کی راہ میں آپ ؐ کی زندگی روشنی کا مینار ہے، اور ہم اس کٹھن راہ پر صرف آپ ؐ کے نور کی روشنی میں، اور آپ ؐ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کی پیروی کر کے، ہی چل سکتے ہیں۔

حضور ؐ کے اخلاق و حکمت کا پورا پورا بیان اور احاطہ کسی کے بس میں نہیں، نہ اس کی پوری پیروی۔ لیکن اس کے بنیادی عنوانات کا جاننا، اور حتی المقدور ان کے مطابق اپنے قول و عمل کو ڈھالنا، ہم سب کے لیے ضروری ہے۔ اور کیوں کہ دعوت کا کام حکمت کے ساتھ کرنے کا حکم سب کو دیا گیا ہے، اس لیے اپنی اپنی ضرورت اور استطاعت کی حد تک حضور ؐ کی حکمت کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا، کسی کے بس سے باہر نہیں۔

حکمت و اخلاق کے جن عنوانات کی پابندی کو ہم نے اصلاحِ معاشرہ کے کام کے لیے ناگزیر قرار دیا ہے، وہ سب اسوۂ نبوی ؐ میں کار فرما دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کو بار بار پڑھنا اور سننا، ان کو نگاہِ قلب اور چشمِ تصور سے دیکھنا، ان کو اپنے اندر جذب کرنا، اور ان کے مطابق بننے کی کوشش میں لگا رہنا: یہی طریقہ ہے جس کے ذریعہ ہمیں اس نور کا کچھ حصہ نصیب ہو سکتا ہے۔

حضورؐ کی ساری اصلاح و تربیت میں ہمیشہ انتہائی شفقت و محبت اور نرم دلی و نرم روی کی صفات کارفرما اور غالب رہیں۔ آج ہمیں بھی سب سے بڑھ کر اسی کی ضرورت ہے۔ آپؐ رحمت للعالمین تھے، رؤف و رحیم تھے، دل اور برتاؤ کے نرم تھے۔ یہ شفقت اور نرمی آپ کی رحمت ہی کا ثمر تھی۔ دین و ایمان کے تقاضوں اور مطالبات میں، احکام میں، انسانی فطرت اور ضروریات کا جو پورا پورا لحاظ ہے، سہولت اور آسانی کا جو انتہائی اہتمام ہے، انس و رغبت اور تالیفِ قلوب کا جو سامان ہے، اور استعداد و طبائع کے لحاظ سے جو حکیمانہ تدریج و ترتیب ہے، وہ بھی حضورؐ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ تعلیم و تربیت میں جو سوز و دردمندی ہے، شفقت و مہربانی اور نرمی ہے، تادیب میں جو عفو و درگزر اور احتیاط و احتراز کی رَوِش ہے، اور عطاء و بخشش سے لے کر برتاؤ اور رَوِش تک میں جو فراخ دلی، فیاضی اور سخاوت ہے، وہ بھی اسی رحمت کی مرہون منت ہے۔

حضورؐ کے طریقِ اصلاح کی حکمت کا ایک بڑا جامع واقعہ سید قطبؒ نے سورۃ الاعلیٰ کی آیت ونیسرک للیسری کی تفسیر کے تحت بیان کیا ہے جو پڑھنے کے لائق ہے:

"ایک بدو رسول اللہؐ کے پاس آیا، اور آپؐ سے کچھ مانگا۔ آپؐ نے اس کی مطلوبہ چیز اسے دے دی، اور پوچھا: "کیا میں نے تم سے اچھا سلوک کیا؟ بدو نے کہا: "نہیں، آپؐ نے مجھ سے اچھا سلوک نہیں کیا"۔ مسلمانوں کو اس پر غصہ آگیا، اور وہ (اسے مارنے کے لیے) بڑھے۔ آپؐ نے انھیں اشارہ سے روک دیا۔

"پھر آپؐ اپنے گھر میں تشریف لے گئے، بدو کو بلا بھیجا، اور اسے کچھ اور عطا کیا۔ پھر اس سے پوچھا: "کہو، کیا میں نے تم سے اچھا سلوک کیا؟" اس نے کہا: "ہاں، اللہ تعالیٰ آپؐ کو اس کی بہترین جزا دے۔ آپؐ بہت اچھے گھر اور خاندان کے ہیں"۔ آپؐ نے کہا: "تم نے اس سے پہلے جو کچھ کہا، اس سے میرے ساتھیوں کے دل پر کچھ اثر ہے۔ اگر پسند کرو تو یہ بات جو تم نے میرے سامنے کی ہے، ان کے سامنے بھی کہہ دو، تاکہ ان کے دلوں میں تمھاری طرف سے جو رنجش ہے وہ نکل جائے" اس نے کہا: "بہت اچھا!"

"اگلے دن صبح ہوئی تو وہ بدو آیا۔ نبی کریمؐ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "اس نے کل جو کہا سو کہا۔ پھر میں نے اسے اور دیا۔ اب اس کا کہنا یہ ہے کہ وہ راضی اور خوش ہے۔ کیوں بھائی، کیا یہ صحیح ہے؟" بدو نے کہا: "ہاں، اللہ آپؐ کو اس کی بہترین جزا دے۔ آپؐ بہت اچھے گھر اور خاندان کے ہیں"

تب رسول اللہؐ نے فرمایا: "میری اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کی اونٹنی اس کے

پاس سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ لوگ اس کے پیچھے [ڈنڈا لے کر!] دوڑے، تو وہ اور دور بھاگ گئی۔ اونٹنی کے مالک نے لوگوں سے کہا: "میری اونٹنی کو مجھ پر چھوڑ دو، میں اس پر نرم ہوں اور اس کے مزاج سے واقف ہوں"۔ پھر مالک، کچھ گھاس پھوس لے کر اس کی طرف بڑھا، اور آہستہ آہستہ اسے واپس لے آیا۔ وہ اس کے پاس آئی، اور بیٹھ گئی، تب اس نے اس پر کجاوہ کسا، اور سوار ہو گیا۔ تو اگر میں تمھیں چھوڑ دیتا اور تم اسے قتل کر دیتے تو وہ دوزخ میں پہنچ جاتا"۔

اس ایک واقعہ میں حضورؐ کی رحمت، نرمی، اخلاقِ کریمانہ اور حسنِ تدبیر کے جو ایسے بیش بہا خزانے بکھرے ہوئے ہیں، ان پر غور کیجیے اور ان سے اپنی جھولی بھرنے کی فکر کیجیے۔ اخلاقِ حسنہ و حسنِ تدبیر کے بیش بہا موتی آپؐ کی پوری سیرت میں بکھرے ہوئے ہیں۔

۱۔ آپؐ کی فیاضی و سخاوت کی شان دیکھیے! ایک اجنبی بدو آکر سوال کرتا ہے، جو کچھ پاس ہے آپؐ اسے عطا کر دیتے ہیں۔ آج کی زبان میں، گویا اس کا "کام" کر دیتے ہیں۔ نہ پوچھ گچھ نہ تحقیق۔ یہ ہے امداد کا معیار مطلوب۔ آپؐ اجود الناس (سب سے بڑھ کر سخی) تھے۔ اسی سخاوت سے دل کے تالے کھلتے، اور نصیحت کی قبولیت کا سامان ہوتا۔ ایک شخص نے آپؐ سے اتنی بکریاں مانگیں جو ایک وادی بھر دیں، آپؐ نے اتنی ہی دے دیں۔ اس نے اپنی قوم سے کہا: "مسلمان ہو جاؤ، محمدؐ اس طرح دیتے ہیں جیسے انھیں افلاس کا کوئی خطرہ نہ ہو" (مسلم)۔ حنین سے واپسی پر چند بدو مانگنے کے لیے آپؐ سے لپٹ گئے، اور آپؐ کی چادر پکڑ لی۔ اس کشمکش میں چادر جسم مبارک سے اتر گئی۔ فرمایا: "میری چادر مجھے دو، اگر میرے پاس ان درختوں کے برابر مویشی ہوتے تو وہ سب تمھارے درمیان تقسیم کر دیتا" (بخاری)۔ مدینہ کی ایک لونڈی بھی آپؐ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جہاں چاہتی آپؐ کو اپنے کام کے لیے لے جاتی (مسلم)۔ ایک عورت نے، جس کے دماغ میں خلل تھا، آپؐ سے تخلیہ میں بات کرنا چاہی۔ آپؐ نے فرمایا: "اے فلاں کی ماں، جس کوچہ میں تو کہے میں چلوں اور تیرا کام کر دوں" (مسلم)

۲۔ آپؐ کے صبر و تحمل کا کمال دیکھیے! جس کی مدد کی جس کا کام کیا، وہ ناخوش اور ناراض اور گستاخی پر تلا ہوا، جاں نثار ساتھی اس کو مارنے کے لیے بے چین، مگر آپؐ ان کو روک دیتے ہیں، بلکہ الٹا اس کو اندر لے جا کر اتنا دیتے ہیں کہ وہ خوش ہو جاتا ہے۔ کسی بدلہ اور شکریہ کی طلب کا تو سوال ہی نہیں۔ ایک دفعہ ایک بدو نے آپؐ سے مانگا، آپؐ کے گلے میں چادر ڈال دی، اس کو کھینچنا شروع کیا، یہاں تک کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا۔ صحابہؓ نے اس کو مارنا چاہا، لیکن آپؐ نے یہاں بھی روک دیا، اور اس کی منہ مانگی مراد پوری کر دی (ابوداؤد)

۳۔ حسنِ تدبیر دیکھیے! صحابہ کی رنجش بھی دور کرنا ہے تاکہ لوگ خوش دلی کے ساتھ ایک جاہل،

بے ادب آدمی کو اپنے درمیان قبول کریں، اور ایسے شخص کی تربیت بھی کرتا ہے۔ چنانچہ اس کو مجلس میں بلا کر اس کے رویہ میں تبدیلی کو سب کے سامنے کھول دیتے ہیں۔

۴۔ پھر، تربیت ہی کے لیے، اپنی ایک مثال دیتے ہیں، جو ایک بے نظیر مثال ہے، جس کا ہر پہلو طریقِ اصلاحِ خلق کی حکمت کے کسی پہلو کو بے نقاب کرتا ہے۔ جو لوگ جاہل تھے، لالچی اور بے ادب تھے، متوحش اور متنفر تھے، جن کے بارہ میں خیال یہ تھا کہ ان پر کلامِ نرم و نازک بے اثر ہے، لاتوں کے بھوت ہیں باتوں سے نہیں مانتے، ان کو اسی طریقہ سے حضورؐ ساتھ ملا لیتے اور بہتر انسان بنا دیتے۔

(۱) آپؐ ان کے مزاج سے واقف تھے۔ ہر مصلح کو ان انسانوں کے مزاج اور ضروریات سے واقف ہونا چاہیے جن کی اصلاح کا بیڑا اس نے اٹھایا ہو، ورنہ وہ ان کو اَور دُور بھگا دے گا۔ آپؐ ان کے لیے نرم تھے۔ غیظ و غضب، سختی و درشتی، ڈانٹ ڈپٹ، اور طنز و تعریض سے مصلح کے جذبات کی تسکین تو ہو جاتی ہے، مگر لوگ اور دور بھاگتے ہیں۔ نرمی سے وہ قریب آتے ہیں، اور پتھر کے دل بھی پانی بن کر بہنے لگتے ہیں۔

(۲) یہ آپؐ کی نرمی کا مظہر تھا کہ بھاگی ہوئی اونٹنی کو چارا دکھایا، گویا آپؐ نے ان چیزوں سے لوگوں کو نیکی کی طرف کھینچا جو ان کے لیے مرغوب تھیں، جن سے وہ مانوس تھے، جن میں ان کے لیے سہولت تھی اور جن کا انھیں لالچ تھا۔ اس پر مستزاد، ان کی مرغوب غذا سامنے رکھنے کے باوجود، آپؐ نے تدریج اختیار کی اور آہستہ آہستہ اپنی طرف لائے۔

آج بھی ایسا ہی رحیمانہ اور حکیمانہ طریق اصلاح، نادان اور متنفر لوگوں کو اس لائق بنا سکتا ہے کہ ان پر "کجاوہ" کس کے، ان کے ذریعے اسلامی انقلاب کی منزل تک پہنچا جا سکے۔ اس رحمت کے چند اور پہلو بھی اہم ہیں:

حضورؐ تمام انبیا کی طرح، اپنی قوم سے محبت کرتے تھے، نفرت نہیں۔ انکار کرنے والوں سے بھی، اور ساتھ چلنے والوں کے حق میں تو رؤف و رحیم تھے ہی۔ آپؐ نے اپنا سارا کام انتہائی دردمندی اور سوز و آرزو کے ساتھ انجام دیا۔ آپؐ اپنے مخالفین تک کے غم میں گھلا کرتے تھے، ان کے انکار و نفور اور مظالم کے جواب میں غصہ، مایوسی اور بیزاری کا شائبہ بھی آپؐ کے دل یا برتاؤ میں پیدا نہ ہوتا تھا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بار بار آپؐ کو نصیحت کر رہا تھا کہ اصبر علی ما یقولون۔ آپؐ کی کیفیت، جیسا آپؐ نے بیان کیا ہے، یہ تھی کہ گویا آپؐ لوگوں کی کمریں پکڑ پکڑ کے انھیں آگ میں گرنے سے بچا رہے ہوں۔ آپؐ ذرہ برابر اجر کے بھی طالب نہ تھے، مال و اقتدار ہو یا احسان مندی، شکر اور تعریف۔ لوگوں نے مال کی تقسیم کے بارہ میں آپؐ پر الزامات لگائے، فتح مکہ و حنین کے بعد تالیف قلب کے لیے

داد و دہش پر مخلصین کو بھی شکوہ ہوا، محبوب بیوی کے خلاف بہتان میں اچھے اچھے لوگ شریک ہو گئے، لیکن آپؐ کے دردو سوز اور محبت میں کمی نہ آئی، اور آپؐ عفوو درگزر ہی کی روش پر گامزن رہے۔

۲- یہ عفوو درگزر بھی رحمت اور نرمی کا نتیجہ تھا۔ اگر اصلاح کرنے والا یہ سمجھے کہ ساری نصیحت، وعظ و تذکیر اور وعدے وعید کے بعد لوگ غلطی نہیں کریں گے، کمزوری نہیں دکھائیں گے، گناہوں میں نہیں مبتلا ہوں گے، تو وہ فطرت انسانی سے بالکل ناواقف ہے۔ لوگوں سے گناہ سرزد ہوتے تھے... انفرادی بھی اور اجتماعی بھی... آپ حتی الامکان تادیب و تعزیر سے بچتے، ضمیر کو جگاتے، استغفار اور توبہ کی راہ دکھاتے اور قبولیت کی بشارت دیتے۔ اس طرح اصلاح کا عمل زیادہ وسیع اور راسخ ہوتا جاتا۔ اس روش کے بے شمار نمونے سیرت نبویؐ میں موجود ہیں۔

۳- تعلیم کا طریقہ بھی انتہائی شفیقانہ تھا۔ ایک صاحب نے نماز باجماعت کے درمیان کسی کے چھینکنے پر یرحمک اللہ کہا۔ جب لوگوں نے گھورنا شروع کیا، تو اس پر احتجاج کیا۔ نماز ختم ہوئی تو حضورؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بتایا کہ نماز میں باتیں نہیں کی جاتیں۔ وہ کہتے ہیں: "آپؐ پر میرے ماں باپ قربان، میں نے آپؐ سے زیادہ شفیق استاد نہیں دیکھا۔ نہ آپؐ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا، نہ بُرا بھلا کہا" (مسلم) اسی طرح، ایک بدو آیا اور مسجد نبوی کے صحن میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ اس کی طرف (روکنے کے لیے) بڑھے۔ آپؐ نے ان کو منع کر دیا کہ اب حاجت پوری کرنے کے فطری عمل کے درمیان روکنے کی ایذا اس کو نہ پہنچے۔ فارغ ہو گیا، تو بلا کر پاس بٹھایا اور مسجد کے آداب کی تعلیم دی۔ پھر، اسے نہیں، صحابہ کو ہدایت کی، گندی جگہ کو پانی بہا کر صاف کر دیں۔ ساتھ ہی فرمایا: "تم خوشی اور بشارت دینے والے بنائے گئے ہو نہ کہ تنگی اور مشکل پیدا کرنے والے" (بخاری)

ہیں تو معمولی سے واقعے، لیکن آج ہر مسجد میں اور ہر جگہ غلطیوں کی اصلاح کی جو رَوِش عام ہے، کیا وہ بالعموم اس اسوۂ حسنہ کے بالکل برعکس نہیں۔ اسی طرح خود جماعت کے اندر اور ساتھ آنے والوں اور آسکنے والوں کے ساتھ ہماری روش بھی قابل توجہ ہے۔

رحمت اور نرمی کا دوسرا بنیادی پہلو یسر (آسانی اور سہولت) کی صورت میں کارفرما رہا۔ یسر کی صورتیں بے شمار ہیں۔ حجۃ اللہ البالغۃ حصہ اول میں شاہ ولی اللہ نے بعض اہم صورتوں کا احاطہ بڑی خوبی سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

ا۔ شرعی احکام ادنیٰ و اعلیٰ سب کے لیے ہیں۔ اس لیے حضورؐ نے کسی ایسی چیز کرنے کا مطالبہ سب لوگوں سے نہیں کیا جس کو کرنا ان کے لیے شاق اور مشکل ہوتا۔ مثلاً فرمایا: "اگر میں نہ سمجھتا کہ یہ میری

امت کے لیے مشکل ہو گا، تو میں حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کریں"۔ ہم اگر اصلاح و تربیت کے جوش میں اپنی مجوزہ تدابیر اور مستحبات کو، استعداد کا لحاظ کیے بغیر، ہر کس و ناکس پر لازم کرتے رہیں، اور ان پر دینی مطالبات کا بوجھ بڑھاتے رہیں، تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ مشکل سے ۱۰ فی صد لوگ پابندی کرنے والے نکلیں گے۔

۲۔ آپؐ نے نیکیوں کا حکم بھی دیا، ان کے ارکان، شرائط اور آداب بھی مقرر فرمائے، لیکن ان کی تفصیلات کو منضبط نہیں کیا۔ یہ اصلاح و تربیت کی حکمت تھی کہ آپؐ نے ان کی تفصیلات اور تکمیل کو لوگوں کی عقلوں پر چھوڑ دیا، کہ وہ الفاظ سے اور اپنی عادات کے مطابق خود سمجھ لیں۔ جب اس قسم کی کوئی بات آپؐ سے دریافت کی گئی، تو اسی قدر بتایا جو وہ سمجھ سکتے تھے، اور کوئی ایسی بات نہیں بتلائی جو ان کی عادات و معروفات میں نہیں تھی۔ مثلاً آپؐ نے نماز کے لیے استقبال قبلہ کو شرط قرار دیا، لیکن کوئی ایسا قاعدہ نہیں بتایا جس سے قبلہ کی سمت معلوم ہو سکے۔ اسی طرح آپؐ نے نماز کے اوقات اور قبلہ دریافت کرنے میں علم ہیئت اور ہندسہ کے مسائل جاننے کی تکلیف نہیں دی۔ فرمایا: "قبلہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے، بس کعبہ کی طرف رخ ہو"۔ تفصیلات بیان کرنے میں حرج عظیم ہے، کیونکہ ہر پابندی میں دقت ہوتی ہے، پابندیاں زیادہ ہو جائیں تو دقتیں اور تنگیاں بھی انتہا کو پہنچ جائیں گی۔ ان تفصیلات کو یاد رکھنے میں بھی بڑی دقت پڑے گی (جیسا آج کل ہو گیا ہے)۔ اس لیے اس سے بہتر کوئی مصلحت نہ تھی کہ جو چیز لازم کی جائے، اس کے اصول منضبط کر کے تفصیلات لوگوں پر چھوڑ دی جائیں۔

۳۔ ان احکام اور رسوم کا مطالبہ کیا جائے جن کی طرف لوگوں کو طبعاً رغبت ہو، جن کو کرنے سے وہ خوش ہوں، اور جو وہ ازخود اپنے نفس کے داعیہ سے انجام دیں، باہر سے ٹھیلنے کی ضرورت نہ ہو۔ تاکہ جس چیز کا طالب دین ہو، طبیعت بھی اس کی خواہاں ہو۔ مثلاً عیدین اور جمعہ کے اجتماعات، مساجد کو پاک اور مزین رکھنا، جمعہ کے دن غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون کر دیا، [عیدین کو کھانے پینے اور سیر و تفریح کا دن قرار دیا، اور اس دن دَف بجانے کی اجازت دی]، اور قرآن اور اذان میں خوش الحانی کو مستحب قرار دیا۔

۴۔ حضورؐ نے ان چیزوں کو مکروہ قرار دیا جو لوگوں کو بوجھ معلوم ہوں۔ مثلاً، غلام، بدو اور مجہول النسب کی امامت کو مکروہ قرار دیا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے ایسے مستحبات کو بھی ترک کر دیا جن سے لوگوں کے دلوں میں اختلاف اور تشویش پیدا ہو۔ مثلاً آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اگر تمھاری قوم زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو بنیادِ ابراہیمی پر تعمیر کر دیتا۔ اسی طرح آپؐ نے ان چیزوں کو باقی رکھا جن کو لوگوں کی طبیعتیں چاہتی ہوں۔ مثلاً صاحبِ خانہ کو امامت کا مستحق قرار دیا۔

انھی اصولوں کے پیش نظر سید مودودیؒ نے عادات رسولؐ کو سنت واجب قرار دینے اور اجتہادی امور کو منصوص کا درجہ دینے کے بارہ میں یہ اصول پیش کیا: "میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا، اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا، ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریفِ دین ہے، جس سے نہایت بُرے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آیندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے" (رسائل و مسائل، ج ۱، ص ۲۴۷)۔ آپ خود اپنی ذات کی حد تک ضرور اس حد تک اتباع رسولؐ کریں کہ پلیٹ میں لوکی کے ٹکڑے تلاش کریں یا اپنے گلے کے بٹن کھلے رکھیں۔ لیکن دوسروں کی اصلاح میں ہر حکم کو اپنے مقام پر ہی رکھیں، بلکہ جہاں تک ممکن ہو، انھیں چھوٹ دیں اور سہولت دیں۔

رحمت، نرمی اور یسر کا ایک پہلو، جسے اپنی جگہ ایک اہم اصول کے طور پر سامنے رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اصلاح میں لوگوں کی عقل و فہم اور عمل کی استعداد اور مناسبت کو پوری طرح ملحوظ رکھا، اسی کے پیش نظر تدریج اور ترتیب کا راستہ اختیار کیا، اور جہاں ضروری سمجھا وہاں لوگوں کو رخصتیں دیں، افراد کی حد تک بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ اس رحمت و حکمت کے بھی بے شمار نمونے ہیں جو سیرت رسولؐ میں پھیلے ہوئے ہیں۔

حضرت عمرو بن عبسہؓ مکہ کے ابتدائی دنوں میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے، اور عرض کیا کہ میں بھی آپؐ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: آج کل ہم لوگ جن مظالم کا ہدف بنے ہوئے ہیں، ان کا برداشت کرنا تمھاری طاقت سے باہر ہے۔ فی الحال تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ، اور جب سنو کہ مجھے غلبہ نصیب ہوا تو میرے پاس آنا (طالب الہاشمی، وفود عرب بارگاہ نبوی میں، ص ۲)۔ حضرت بریدہؓ نے قبیلہ بنی اسلم کے ۸۰ گھرانوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپؐ نے انھیں اپنی جگہ رہنے کی ہدایت فرمائی، اور تحریری پروانہ دیا کہ "وہ مہاجر ہی ہیں، جہاں بھی رہیں" (ایضاً، ص ۲۳۸)۔ اسی طرح ۵ھ میں بنی مزینہ کے ۴۰۰ گھڑسوار مدینہ آئے، تو آپؐ نے ان کو ہدایت کی کہ اپنے علاقہ میں واپس جاؤ، جہاں بھی رہو گے تمھیں مہاجر سمجھا جائے گا۔ (ایضاً ص ۶۰)

ایک صاحب نے عرض کیا کہ بہت کوشش کرتا ہوں، فجر کی نماز وقت پر ادا نہیں کر پاتا۔ فرمایا کہ جب آنکھ کھلے پڑھ لیا کرو۔ قیامِ لیل کی فرضیت منسوخ ہوئی، تو عشا اور فجر کی نماز باجماعت کو آدھی آدھی رات کے قیامِ لیل کے برابر قرار دیا۔ صلوٰۃ لیل، عشا سے سحر تک کسی وقت پڑھنے کی سہولت بھی دی، اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے چھوٹ جائے، تو ظہر تک پڑھنے کی صورت میں بھی ثواب کی بشارت دی۔

ایک حبشی عورت سے آپؐ نے پوچھا: اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف اشارا کیا۔ اس کی عقل کی استعداد کے لحاظ سے یہ عقیدہ بھی قبول ہوا۔ فرمایا: "یہ عورت مومنہ ہے"۔ لوگ آتے، اور اسلام و ایمان کی حقیقت دریافت کرتے۔ آپؐ ارکان پنج گانہ بیان کرتے، اور بس کرتے۔ ایک بدو یہی سوال جواب کر کے واپس گیا، اور کہتا جا رہا تھا کہ "میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا"۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: "اگر یہ سچا ہے تو اس نے فلاح پالی" (بخاری، مسلم)۔ لیکن ظاہر ہے کہ اور دوسروں سے مطالبات صرف اتنے ہی نہ تھے۔

حکمتِ نبویؐ کا ایک عمدہ نمونہ، قبیلہ ثقیف کے اسلام کے واقعہ میں ہے۔ یہ تقریباً قریش کا ہم پلہ اور بڑا نامور اور جنگجو قبیلہ تھا، جس کے ہاتھوں حضورؐ پر طائف میں سخت ترین دن گزرا، اور جس نے اتنی شدید مزاحمت کی کہ آپؐ محاصرہ اٹھا کر واپس تشریف لے آئے۔ جس دن ان کا وفد قبولِ اسلام کے لیے مدینہ پہنچا تو آپؐ بے حد مسرور تھے، اور ان کو مسجد نبوی میں خیمے لگا کر ٹھہرایا۔ اب اسلام لانے کے لیے "بات چیت" شروع ہوئی۔ انھوں نے زنا کی اجازت مانگی، سود کی اجازت مانگی، شراب پینے کی اجازت مانگی، پھر نماز معاف کرنے کی درخواست کی۔ آپؐ نے ہر مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن ان کے اتنے لغو مطالبات پر نہ ڈانٹ ڈپٹ کی، نہ سلسلہ گفتگو منقطع کیا۔ یہ درخواستیں نامنظور ہو گئیں، تو وفد نے زکوٰۃ اور جہاد سے استثنا کی درخواست کی۔ یہ آپؐ نے منظور فرمالی۔ بعد میں فرمایا: "جب یہ لوگ صدق دل سے اسلام قبول کریں گے، تو جہاد بھی کریں گے اور زکوٰۃ بھی دیں گے۔" اس کے بعد وفد نے پوچھا کہ ہمارے بت، لات، کے بارہ میں آپؐ کا کیا ارادہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: "اسے توڑ دیا جائے گا"۔ یہ اتنے خوف زدہ تھے کہ بولے: "اس بت کو توڑنا تو بربادی کو دعوت دینا ہے"۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہوا اور کہا: "تم ایک بے جان پتھر سے اتنا ڈرتے ہو"۔ اہلِ وفد نے برہم ہو کر کہا: "عمر تم نہ بولو، ہم تمہارے پاس نہیں آئے ہیں"۔ پھر انھوں نے حضورؐ سے عرض کیا: "لات کو گرانے کا کام ہم سے تو نہیں ہو سکے گا، آپ خود جو چاہیں کریں"۔ حضورؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "اچھا، تو یہ بت شکنی ہمارے ذمہ رہی، تم لوگ یہ کام نہ کرنا"۔

اس کے بعد وفد مسلمان ہو گیا۔ حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقفی ایسا نہ تھا جس نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ حضورؐ کا یہ یقین بھی درست ثابت ہوا کہ جب دلوں میں ایمان راسخ ہو جائے گا، تو خود بخود زکوٰۃ بھی دیں گے، اور جہاد کے لیے بھی نکلیں گے (ایضاً ص ۱۸۴ تا ۱۹۱)

جب سید مودودی سے شادی بیاہ کی غیر شرعی رسومات کے بارہ میں مطالبہ کیا گیا کہ جماعت "ان کی وضاحت اس طرح کر کے بتلائے کہ "اباحت" کا پرچہ چاک ہو جائے --- (ورنہ ان رسوم کو) قابل

بغاوت قوانین باطل سے مستثنیٰ قرار دینے کی وجوہ تحریر کریں"، تو انھوں نے اسی اصولِ تدریج کے مطابق جواب دیا کہ "علاج یہ نہیں کہ براہ راست ان رسموں کے خلاف کچھ کہا جائے، بلکہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن و سنت کی دعوت دی جائے ۔۔۔ ہم اَلْاَقْدَم فَالْاَقْدَم کے اصول پر کام کر رہے ہیں۔ پہلے دین کی جڑوں کو دلوں میں جمانا ضروری ہے۔ اس کے بعد تفصیلات ۔۔۔ کو درست کرنے کا موقعہ آئے گا۔ اگر ہم شادی بیاہ، لین دین اور دوسرے معاملات کی تفصیلات و جزئیات بیان کرنے پر اتر آئیں تو ہماری اصولی دعوت کا کام منتشر ہو جائے گا (رسائل و مسائل، ج ۱، ص ۱۳۸، ۱۴۰)

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں: جن امور میں مشقت تھی، عمل یا طبیعت کے لحاظ سے۔ انھیں حضور نے آہستہ آہستہ نافذ کیا۔ اسی کے متعلق حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ اول وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں صرف جنت دوزخ کا ذکر تھا، بعد میں حرام حلال کے احکام نازل ہوئے۔ اگر یہ احکام شروع ہی میں نازل ہوتے، تو لوگ کہہ دیتے کہ ہم شراب نہیں چھوڑیں گے، ہم زنا نہیں چھوڑیں گے (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱)

جنت کا یہ مقام صرف حکمتِ اصلاح کی وجہ سے نہیں، بلکہ دراصل یہی مقصودِ زندگی ہے، اسی کو مقصود بنانا چاہیے، اسی مقصود کی طرف بلانا چاہیے۔ ضماد بن ثعلبہؓ مکہ کے ابتدائی دنوں میں مسلمان ہوئے، اور پوچھا: "اگر میں سب باتیں مان لوں تو مجھے کیا ملے گا؟"۔ فرمایا: "جنت"۔ انصار نے بیعتِ عقبہ کے موقع پر جان و مال قربان کر دینے کی بیعت کی، اور پوچھا: "اگر ہم اپنے اس عہد کو پورا کر دکھائیں تو اس کے صلہ میں کیا ملے گا؟"۔ فرمایا "جنت"۔ غزوۂ احد میں جب آپؐ راہِ خدا میں سر کٹانے کے لیے پکار رہے تھے، تو زبان پر یہی الفاظ تھے: "تیزی سے لپکو (اور ایک دوسرے سے آگے بڑھو) اس جنت کی طرف جس کی وسعت میں زمین و آسمان سما جائیں"۔ اب ہم خود ہی یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری گفتگوؤں، دعوت، تقاریر اور سرگرمیوں میں اس جنت کا حصہ کتنا ہے، جس کو لوگ حضورؐ کی صحبت میں بیٹھتے تھے تو ایسا محسوس کرتے تھے کہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

جنت کی طمع کی کنجی سے دلوں کے قفل کھل جاتے ہیں، پھر انسانوں کے دل خود مفتی اور نیکی و بدی کی میزان بن جاتے ہیں، نیکی سے انھیں اطمینان نصیب ہوتا ہے اور بدی سے کھٹک پیدا ہوتی ہے۔ اور اعمال، عادات، رسومات اور نظام کی اصلاح کا راستہ کھل جاتا ہے۔

اصلاح و انقلاب کا ایسا تصور کہ، فرد ہو یا اجتماعیت، جو کچھ ہے وہ سب توڑ پھوڑ دیا جائے گا، اور ہر چیز نئے سرے سے تعمیر ہوگی، نہ عملاً ممکن ہے، نہ حقیقت سے مطابقت رکھتا ہے، نہ یہ انبیا کرامؑ کے نقشہ کار کے مطابق ہے۔

انبیا کے، اور خصوصاً نبی کریمؐ کے نقشہ اصلاح کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں :
"اگر تم شریعت رسول اللہؐ چاہو تو پہلے ان امیین کے حالات کو دیکھو جن میں آپؐ کی بعثت ہوئی۔ انھی کے حالات آپؐ کی شریعت کا مادہ ہیں۔ پھر یہ دریافت کرو کہ تشریع و تیسیر کے مقاصد کے مطابق ان کی اصلاح کی کیفیت کیا تھی۔

حضورؐ نے زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے حالات پر نظر ڈالی، ان کے عقاید، عبادات، معاملات، اخلاق اور تمدن کو دیکھا۔ ان میں جو حصہ ملّتِ ابراہیمی کے مطابق تھا یا شعائرِ الٰہی پر مشتمل تھا، اور صحیح تھا، اس کو آپؐ نے باقی رکھا، اور اس پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔ جہاں تحریفات ہو گئی تھیں، یا فساد و بگاڑ پیدا ہو گیا تھا، یا شرک اور کفر کی جو علامتیں تھیں، آپؐ نے ان کی اصلاح کی یا ان کو مٹا دیا، اور ان کا بطلان مستحکم کر دیا۔ آپؐ نے عبادات کے اسباب، اوقات، شرائط، ارکان، آداب، اور مفسدات کی تعلیم دے کر انھیں منضبط کر دیا۔

اگر کوئی فہیم ہو، احکام کی اطراف و جوانب پر اس کی نظر ہو، تو وہ یہ بات دیکھ سکتا ہے کہ آپ نے، اور دیگر انبیاؑ نے، عبادات میں کوئی ایسا نیا طریقہ مقرر نہیں کیا جو پہلے سے لوگوں میں پایا نہ جاتا ہو، یا جو پایا جاتا تھا اس کے مثل نہ ہو۔ حضرت ابوذرؓ حضورؐ کے پاس آنے سے پیش تر تین سال سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ وہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے زمانہ جاہلیت میں ایک شب کے اعتکاف کی نذر مانی تھی اور اس سلسلہ میں رسول اللہؐ سے استفسار کیا تھا۔

عقاید اور عبادات کے طریقوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ، تمدن کے نظام، قوانین اور رسوم کی اصلاح کرنا بھی انبیا کی بعثت کا مقصد ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ رائج الوقت تمدن اور اس کے طریقوں اور قوانین و رسوم پر نظر ڈالتے، جو طور طریقے صحیح ہوتے ان کو باقی رکھتے اور ان کا حکم دیتے، اور جو فاسد ہوتے ان سے منع کرتے۔ وہ جو رائج امور صحیح ہوتے ہیں، ان میں کسی چیز کو ختم کرنا اور اس کی جگہ کوئی دوسری چیز لانا بے معنی ہے۔ بلکہ وہ لوگوں کو ان کی پابندی پر اور زیادہ آمادہ کرتے۔ ان کی رائے اور طریقوں کو درست قرار دیتے، اور ان امور کی مصلحتیں بیان کرتے۔ لیکن اگر ان کی وجہ سے ایک شخص کو دوسرے سے اذیت پہنچ سکتی ہو، دنیوی لذتوں میں انہماک بہت زیادہ بڑھتا ہو، احسان کی روش سے اعراض پیدا ہوتا ہو، یا دنیا اور آخرت کے مصالح سے غفلت و لاپروائی ہوتی ہو، تو یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان میں تبدیلی کی جائے۔ یہ تبدیلیاں ایسی ہوتی ہیں جو ان لوگوں کے مالوفات کے بالکل مخالف نہ ہوں، یا جو ان چیزوں کے مثل ہوں جو ان کے ہاں یا دیگر صالحین کے ہاں عام طور پر رائج ہوں۔ ان کی عقلیں بھی ان تبدیلیوں کو رد نہ کریں، بلکہ وہ اس پر مطمئن ہو سکیں کہ یہ صحیح اور برحق ہیں۔ وہ لوگ جن

کا علم راسخ ہے خوب جانتے ہیں کہ شریعت نے نکاح، طلاق، معاملات، لباس، حدود، میراث میں ایسی چیزیں مقرر نہیں کیں جن سے لوگ ناواقف ہوں، یا ان کا پابند بنانے سے وہ تردد میں پڑ جائیں۔ شریعت نے تو رائج رسوم و قوانین کی کجی کو درست کر دیا اور ناقص و کمزور چیزوں کو صحیح کر دیا۔ تمدنی طور طریقوں میں اچھے اور برے دونوں پہلو ہوتے ہیں۔ ان کو برقرار رکھا گیا، اِلّا یہ کہ ان میں کوئی چیز غلط ہوئی، مگر ان کے اندر اذکار و آداب مقرر کیے۔

آج دنیا کا غالب تمدن، جاہلیت جدیدہ کا تمدن ہے۔ لیکن اس کی اصلاح کا حکیمانہ نقشہ کار ہر نقش کہن کو مٹانے کے بجائے انبیا کرام اور نبی کریمؐ کے طریقہ کی بنیاد ہی پر بنانا چاہیے۔

حکمتِ نبوی، حضورؐ کے خلقِ عظیم اور آپؐ کے نقشۂ اصلاح کی مجتہدانہ فہم کے ساتھ اگر ہم اپنے معاشرہ کی اصلاح کا فریضہ انجام دینے کے لیے آگے بڑھیں گے، تو کوئی وجہ نہیں کہ توفیقِ الٰہی ہمارے ہمرکاب نہ ہو۔

جنوری ۹۴ میں ہم نے ترجمان القرآن کے صفحات ۵۶ سے بڑھا کر ۸۸، اور کاغذ سفید کر دیا تھا، مگر قیمت ۱۰ روپیہ اور سالانہ زر تعاون ۔۔/۱۰۰ روپے رکھا تھا۔ یہ قیمت اس وقت بھی کم تھی۔ لیکن دوران سال میں تین اقساط میں کاغذ کی قیمت تقریباً ۲۰ فی صد بڑھ گئی ہے، اور ڈاک خرچ میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ابھی آیندہ سال ہر چیز میں روز افزوں گرانی کا سامنا ہے۔ ہماری کوشش رہی کہ خسارہ کو اشتہارات اور خیرخواہوں کے تعاون سے پورا کر لیں۔ لیکن اب یہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ قیمت میں اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ بادلِ ناخواستہ ہمیں جنوری ۹۵ سے قیمت ۱۲ روپے اور سالانہ زر تعاون ۱۲۰ روپے کرنا پڑ رہا ہے۔ امید ہے قارئین ہمارے ساتھ تعاون کریں گے۔

جو حضرات ۱۵ دسمبر تک خریدار بنیں گے، یا جو خریدار ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ تک اپنا بدل اشتراک نقد بھیج دیا کریں گے (بجائے وی پی کے) ان سے ہم ۱۰۰ روپے کا رعایتی بدل اشتراک لیں گے۔